AL-AẔVĀ ا لاضو ا ء
ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904
Volume 34, Issue, 51 , 2019
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

جدید مغربی فکرمیں مطالعہ مذہب کے مناہج

Modern Western Approaches to the Study of Religion

ضیاء الرحمن ضیاء*
**

*پی ایچ ڈی سکالر ، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

Abstract:

In the modern west, study of religion has become an umbrella term for a number of approaches. There are various social or scientific ways of studying religions – anthropologically, historically, psychologically, sociologically, and through gender studies. It describes, compares, interprets, and explains religion, emphasizing systematic, historically based, and cross-cultural perspectives. Every approach marked out its boundaries and features in different ways by focusing on religion and its relation with different aspects of human life. This article will offer an overview of this development in modern west and then surveys the main approaches used today in western academia, as well as provide opportunity to scholars of Islamic Studies to analyze these approaches in Islamic perspective.

Key Words: Study of Religion, Modern Western Approaches, Sociology

مذہب انسانی زندگی کا ایک اہم اور نمایاں پہلو ہے جو تاریخی اعتبار سے جدید اور قدیم انسانی معاشروں کا حصہ رہا ہے ۔ بطور ایک تہذیبی عامل کے انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تشکیل میں اس کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب ہمیشہ سے سماجی علوم سے وابستہ مفکرین کےہاں اہم موضوعات میں شامل رہا ہے۔ انیسویں صدی کے اختتام تک مغربی دنیا میں مطالعہ ادیان ایک مستقل فن کی صورت اختیار کرچکا تھا، تاہم انسان ، انسانی تاریخ، انسانی معاشرت اور انسانی رویوں سے اس کے گہرے تعلق کی وجہ سے دیگر جدیدعلوم کے ماہرین نے بھی مذہب کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ اس طرح مطالعہ ادیان کا دیگر علوم کے ساتھ گہرا اور قریبی رابطہ قائم ہوگیا۔ ان علوم میں بشریات (Anthropology) ، تاریخ (History) ، نسائیت (Feminism) ، نفسیات

*پی ایچ ڈی سکالر ، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان
**ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

(Psychology) اور سماجیات (Sociology) زیادہ اہم ہیں۔ چونکہ ان علوم میں تحقیق کے لیے علم کلام یا فلسفہ کے مقابلے میں سائنسی معیارات کو بنیاد بنایا گیا اس لیے ان علوم کے تحت مذہبی مطالعہ کو مذہب کا سائنسی مطالعہ کہا جاتا ہے۔ سائنسی مطالعہ مذہب سے مراد پہلے سے طے شدہ معیارات کی بجائے دستیاب شواہد کو بنیاد بنا تے ہوئے کسی مذہبی روایت پر تحقیق کرنا ہے۔ جدید مغربی فکر میں اسی طریقہ تحقیق کو تسلیم کیا گیا ہے۔مطالعہ مذہب کے سائنسی منہج کی تین بنیادی خصوصیات بیان کی گئی ہیں: ۱۔ اس منہج تحقیق میں مذہبی معیارات کو رد کرکے سائنسی معیارات کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ۲۔ اس منہج کے تحت کسی بھی مذہبی روایت کا معروضی (objective) انداز میں جائزہ لیا جاتا ہے جس میں محقق کی اپنی سوچ اور مذہبی پسِ منظر کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ۳۔ سائنسی طرزِ تحقیق میں کسی مذہب پر غلط یا درست ہونے کا حکم لگائے بغیردستیاب معلومات کا تحلیلی و تقابلی کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔[1]

۲۔ مطالعہ مذہب کا بشریاتی منہج: (Anthropological Approach)

مطالعہ مذہب کی بشریاتی جہت (Anthropological Approach) اپنے مقاصد اور اہداف کے اعتبار سے وقت کے ساتھ بدلتی رہی ہے۔انیسویں صدی میں جب بشریات (Anthropology) کا بطور ایک سائنس کے آغاز ہوا تو انسان کی ابتداء اور اصل کی تحقیق اس علم کا بنیادی ہدف قرار پایا۔ بشریاتی تحقیق کا دائرہ کار انسانی باقیات (Fossils) اور نسلی اعتبار سے ایسے جانداروں کے مطالعہ پر مشتمل تھا جو اپنی تخلیق کے اعتبار سے انسانی نوع کے قریب تر تھے۔ اسی طرح اُن انسانی مجموعوں کا مطالعہ بھی اس میں شامل تھا جو انسانی معاشروں کی ابتدائی صورتوں کی نمائندگی کرتے تھے۔[2] ابتدائی دور کی بشریات انسان کے حیوانی یا ظاہری وجود (Biological or Physical)سے بحث کرتی تھی جس میں مذہب کے مطالعے کو خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ وقت کے ساتھ انسانی زندگی کے بشریاتی مطالعہ کا دائرہ کار بڑھتا چلا گیا اور اس کی مختلف علمی جہتیں مستحکم ہوتی چلی گئیں جن میں سے ثقافتی بشریات(Cultural Anthropology) اہم ہے جس میں بشریاتی نقطہ نظر سے مذہب کا مطالعہ کیا گیا ہے جسے بشریاتِ مذہب (Anthropology of Religion)کہا گیا ہے۔

'بشریاتِ مذہب' سے مراد علم بشریات میں وضع کیے گئے اصول و قواعد کی روشنی میں کسی بھی مذہب کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔[3] مذہب کیا ہے؟ مذہب کے عناصر ترکیبی کیا ہیں؟ انسانی معاشرے کے لیے اس کی کیا اہمیت ہے؟ بشریات مذہب میں ان سوالات کو مختلف ثقافتوں ، نسلوں اور جغرافیائی تقسیم کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ماہرین بشریات

تاریخی روایات کے مقابلے میں کسی بھی مذہب پر عمل کرنے والے حاضر اور موجود افراد کو اپنی تحقیق کا مرکز بناتے ہیں۔ابتدائی دور کے ماہرین بشریات کی توجہ زیادہ تر اس بات کو جاننے پر مرکوز رہی کہ ابتدائی انسانی معاشروں کی صورت کیا تھی۔ کیا ابتدائی معاشروں میں اجتماعی یا گروہی زواج (Group Marriage) کا رواج تھا؟ کیا انسان کے ابتدائی معاشروں میں عورت سماجی طور پر مردوں پر فوقیت رکھتی تھی؟ اگر چہ اپنی تمام تر تحقیق کے باوجود مغربی محققین ابھی تک کوئی مضبوط دلیل ان دونوں کیفیتوں کے بارے میں پیش نہیں کرسکے ہیں۔[4] اسی طرح قبل از تاریخ کے انسانی معاشروں کے مذہبی رجحانات کے بارے میں بھی ان محققین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کیا مذہب کی ابتدائی شکل جادو (Magic) تھی یا یہ فطری قوتوں (Natural Forces) کی عبادت اور تکریم پر مشتمل تھا؟ کیا یہ روحوں کے بارے میں خیالات پر مبنی تھا جو خوابوں میں انسان کو نظر آتی ہیں یا اس کا انحصار کسی خاص مقدس چیز (Totem) پر تھا جو انسانوں کی فکری و سماجی وحدت کا ذریعہ تھی؟

مطالعہ مذہب کی بشریاتی جہت کے حوالے سے دو مغربی مفکرین کی اہمیت نمایاں ہے جنہیں رجحان ساز (trend setter) شخصیات کہا جا سکتا ہے۔ ان میں پہلی شخصیت سر جیمز فریزر (Sir. James Frazer, 1854-1941) کی ہے۔ موضوع کے حوالے سے انہوں نے 1890 عیسوی میں اپنی کتاب The Golden Bough شائع کی[5]۔ اپنی اس کتاب میں مصنف نے دنیا کے مختلف خطوں کی مذہبی روایات کی رسوم و رواج اور جادوئی اعمال کو جمع کیا ہے جو مصنف کے بقول قدیم معاشروں کی سماجی تشکیل میں اہم تھے۔ Frazer کے مطابق ابتدائی انسانی معاشروں میں مذہب بنیادی طور پر ایسے جادوئی کردار پر مبنی تھا جو انسانی معاشروں میں زرخیزی اور زندہ کاری (Fertility) کو جاری رکھنے کا ذریعہ تھی۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ خدائی بادشاہ (God-King) کہتا ہے جس نے اپنی جان اس لیے قربان کی تاکہ اپنے لوگوں کی زرخیزی (fertility) اور بقا (Survival) کو ممکن بنایا جا سکے۔ وہ انسانی معاشروں کے ارتقاء کوتین مرحلوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا دور جس میں جادو (magic) کو انسان کی سماجی زندگی میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ دوسرا دور مذہب (religion) کا ہے جس میں مذہب انسان کی سماجی زندگی میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا تھا۔ تیسرا دور سائنس یعنی علم و عقل کا دور ہے جس میں جدید سائنسی علوم کی روشنی میں انسان کی سماجی زندگی کی تشکیل نو ہوئی۔ Frazer کی اس تقسیم کے مطابق مذہب کا دور گزر چکا ہے نیز مذہبی دور انسان کی عقلی ترقی کا نامکمل دور تھا۔

دوسری رجحان ساز شخصیت ایمل درخائم (Emil Durkheim, 1858-1917) کی ہے۔ درخائم ایک سماجی مفکر (social scientist) کے طور پر

جانے جاتے ہیں مگر بشریات اور سماجیات کے قریبی تعلق کی وجہ سے درخائم کی مذہب کے بارے میں آراء ماہرین بشریات مذہب کے لیے اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔ درخائم نے Frazer کے پیش کردہ خیالات کو مسترد کرتے ہوئے انسانی معاشرے میں مذہب کی مختلف توجیہ پیش کی۔ ان کی مشہور کتاب جو فرانسیسی زبان میں لکھی گئی Elementary Forms of Religious Life ، 1915 میں شائع ہوئی۔[6] اس میں درخائم، Frazer کے طریقہ تحقیق کو تنقید بناتے ہوئے اس بات کو مسترد کرتا ہے کہ جدید معاشروں میں مذہب کی اہمیت ختم ہوگئی ہے۔ اس کے خیال میں تمام مذاہب، جدید ہوں یا قدیم، اپنے اپنے اعتبار سے درست اور ان کی سماجی حیثیت مسلمہ ہے۔

سماجی بشریات (cultural anthropology) میں تحقیق کے حوالے سے دو مناہج پائے جاتے ہیں: نظری تحقیق (Theoretical) اور عملی تحقیق (Practical) ۔ نظری تحقیق میں پہلے سے موجود کسی نظریہ کے تحت حاصل شدہ معلومات کا تجزیہ کرتے ہوئے نتائج مرتب کرنا ہے۔ مثلاً Sir. James Frazer نے اپنا تجزیہ نظریہ ارتقاء کی روشنی میں پیش کیا ہے جس میں انسانی معاشرہ تدریجی مراحل سے گزرتا ہوا آج کے جدید معاشرے تک پہنچا ہے۔ جبکہ عملی تحقیق سے مراد کسی بھی محقق کا ان افراد کے ساتھ عملاً وقت گزارنا ہے جن پر وہ تحقیق کر رہا ہو۔ وہ ان کے روز مرہ زندگی کے معاملات کا براہ راست مشاہدہ کرتا اور ان میں حصہ لیتا ہے نیز ان کی زبان سیکھ کر اس کی روشنی میں ان کے افکارواعمال کا تجزیہ کرتا ہے۔ اس طریقہ تحقیق کو (Participant observation) کہا جاتا ہے۔ اس طریقہ تحقیق میں نظریہ (theory) اور طریقہ تحقیق (methodology) ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مسلمان اہلِ علم کواس طریقہ تحقیق میں مغربی مفکرین پر برتری حاصل ہے۔ مسلم روایت میں اس کی سب سے بہترین مثال ابو ریحان البیرونی(۹۷۳ء تا ۱۰۴۸ء) کی ہندو مذہب پر تحقیق ہے جو تحقیق مآل الہند کے عنوان سے کتابی صورت میں سامنے آئی۔ البیرونی نے عملاً ہندو مذہب کی مقدس زبان سنسکرت سیکھی اور ان کے مذہبی علماء سےبراہ راست وید پڑھے نیز ایک وقت ان کے ساتھ گزارکر مذہبی رسم و رواج اور ہندو سماج کا براہ راست مطالعہ کر کے اپنی تحقیق کو پیش کیا۔

۳۔ مطالعہ مذہب کا نفسیاتی منہج: (Psychological Approach)

نفسیات جدید سائنس کی وہ شاخ ہے جس میں فرد کے رویّے، عمل، اس کی ذہنی کیفیت اور جذبات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مذہب بھی انسان کی سوچ، عمل اور جذبات کو موضوع بناتا ہے اور ان میں تبدیلی کے لیے ایک نظامِ فکر و عمل فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ کسی بھی معاشرے میں افراد کے مذہبی رویوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مذہب کے بارے میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مذہب ایک طاقتور عامل ہے، جس کا انسان کی سوچ اور غیر

معمولی رویّوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے جو کہ قابلِ ستائش اور بعض صورتوں میں خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔[7] نفسیات کا تعلق انسان کی سوچ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے رویے کے ساتھ ہے۔ ماہرین نفسیات لوگوں کے رویوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان مشاہدات کو مدوّن کرکے ان کی نفسیات کے اصولوں کی روشنی میں ممکنہ وضاحت کرتے۔ [8] عمومی مطالعہ نفسیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مطالعہ مذہب کی نفسیاتی جہت سے مراد مذہبی رویے، سوچ اور عمل کا نفسیات کے اصولوں کی روشنی میں مطالعہ کرناہے جسے نفسیاتِ مذہب (Psychology of Religion) کہا جاتا ہے۔ مذہب کے نفسیاتی مطالعہ کے ضمن میں ایک محقق کے پیشِ نظر دو پہلو رہتے ہیں: اول۔ وہ رویے، سوچ اور جذبات جن کا اظہار کسی مذہبی روایت پر کاربند شخص کی طرف سے ہوتا ہے نیز اس کے انفرادی و اجتماعی اثرات کیا ہیں۔ دوم۔ وہ لوگ جو مذہب مخالف رجحانات کے حامل ہیں ان کے رویے، سوچ اور جذبات کے محرکات کیا ہیں۔[9]

مطالعہ مذہب کے نفسیاتی جہت کا دائرہ کار میں انسانی زندگی کے تین پہلو آتے ہیں: ۱۔ مذہبی رویّہ ۲۔ مذہبی سوچ۔ ۳۔ مذہبی جذبات۔

مذہبی رویے کے مظاہر میں عبادت کے طریقے اور مذہبی طرزِ زندگی وغیرہ آتا ہے۔ ایک ماہرِ نفسیات عبادت کرنے والے کے نقطہ نظر سے فرد کی زندگی میں عبادت کی افادیت کا جائزہ لیتا ہے۔ عام طور پر وہ لوگوں سے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ عبادت کیوں کرتے ہیں یا عبادت کرنے کے بعد وہ کیا محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح عبادت کے انسانی صحت پر اثرات نفسیات کا ایک اہم پہلو ہے۔ نفسیاتی مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبادت کو بطور علاج کے استعمال کرنے سے انسانی صحت پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں نیز یہ کہ عبادت کو نفسیاتی علاج (psychotherapy) میں استعمال کیا جاسکتا ہے بطور خاص ڈپریشن میں۔[10] مذہبی ادب اور زبانی روایات (Religious Discourse) کا فرد اور معاشرے پر اثرات کا جائزہ بھی نفسیات کے اہم موضوعات میں سے ہے۔ مذہبی رویے کا ایک اظہار کسی فرد کی مذہب کی بنیاد پر منظم ہونے والے گروہ سے وابستگی بھی ہے۔ مذہبی گروہ ایک طرف فرد کی شخصی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دوسری طرف فرد کی سماجی شناخت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔[11]

مطالعہ مذہب کی نفسیاتی جہت کے ضمن میں جدید مغربی مفکرین میں سے دو شخصیات زیادہ اہم ہیں۔ اول، ولیم جیمز (William James, 1842-1910) دوم، سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud, 1856-1939)۔ ویلیم جیمز کے زیر نگرانی مذہبی تبدیلی (Religious Conversion) کے موضوع پر E.D. Starbuck نے اپنی تحقیق مکمل کی اور پروٹسٹنٹ عیسائی فرقے میں مذہبی

تبدیلی کے محرکات کا جائزہ لیا۔[12] اسی طرح J. H. Leuba نے اپنی تحقیق میں مذہبی عقائد کے فرد کی پیشہ وارانہ زندگی پر اثرات کا جائزہ لیا ہے۔اس کی تحقیقات کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ ممتاز سائنسدان اپنے باقی ساتھیوں کے مقابلے میں کم مذہبی رجحان رکھتے ہیں اور سائنسدانوں میں بھی نفسیات کے ماہرین سب سے کم مذہبی رجحان کے حامل ہیں۔[13] تصوف پر نفسیاتی معیارات کے مطابق تحقیق کر کے اس نے کہا کہ یہ زمانہ قدیم میں نفسیاتی امراض علاج کے لیے استعمال ہونے والا ایک طریقہ تھا جس کی افادیت جدید نفسیات کے بعد ختم ہو گئی ہے۔ ویلیم جیمز نے مذہبی کیفیت کے حوالے سے ایک نمائندہ تحقیق (Varieties of Religious Experiences) پیش کی جو آج بھی مطالعہ مذہب کے ضمن میں اہم ہے۔ اس نے انسان کی شعور اور لاشعور کے درمیانی کیفیت (subconscious) کو مذہبی حقائق کی تفہیم میں اہم قرار دیا۔ مذہبی تجربے کے روحانی پہلؤوں کو بیان کرتے ہوئے جیمز کہتا ہے کہ انسانی شعور کی یہی درمیانی کیفیت مذہبی حقائق کو انسانی تجربے کا حصہ بناتی ہے۔[14] جیمز نے اپنی تحقیق میں عام مذہبی افراد کی بجائے مذہبی اعتبار سے مثالی افراد کو منتخب کیا نیز اس نے فرد کی روز مرّہ مذہبی زندگی کی بجائے فرد کی مذہبی کیفیت کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔

سگمنڈ فرائڈ اپنے مذہب مخالف رجحانات کے حوالے سے معروف ہے مگر اس کی تحقیقات نے مطالعہ مذہب کی نفسیاتی جہت میں کئی نئے رجحانات متعارف کروائے۔ فرائڈ کو نفسیاتی تحلیل (Psycho Analysis) کا بانی کہا جاتا ہے۔ اس کے بقول انسانی ذہن (mind) ایک مکمل شے نہیں ہے بلکہ یہ تین مختلف اجزاء پر مشتمل ہے جن کا اپنا الگ الگ کام ہے۔ پہلا حصہ شعور (The Conscious) پر مشتمل ہے جو حاضر وقت میں ہمارے استعمال میں رہتا ہے۔ ذہن کا دوسرا حصہ بوقت ضرورت انسان اپنی خواہش کے مطابق استعمال کرسکتا ہے اسے وہ (The Preconscious) کہتا ہے۔ جبکہ تیسرا حصہ لاشعور (The Unconscious) پر مشتمل ہے جو انسان کے شعور کے نیچے دبا ہوا ہوتا ہے اور ہمارے شعور کے ساتھ ٹکراتا رہتا ہے اور اس ٹکراؤ میں انسانی شعور پر غالب آجاتا ہے۔[15] فرائڈ کے بقول لاشعور انسان کی مذہبی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے خیال میں مذہب حقیقتاً ایک فرد کی زندگی میں آنے والے نفسیاتی دباؤ کا شاخسانہ ہے اور اسے Oedipus Complex کی روشنی میں سمجھاجانا چاہیے۔[16]

۴۔ مطالعہ مذہب کا نسائی منہج: (Feminist Approach)

انیسویں اور بیسویں صدی مغربی فلسفے کی روشنی میں انسانی حقوق کے از سرِنو تعین کی صدیاں ہیں۔ مغرب کے جدید معاشرے میں بدلتے حالات کے تناظر میں عورتوں کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق کےلیے ایک

بھر پور تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کی پشت پر کار فرما فلسفے کو نسائیت (feminism) کہا جاتا ہے۔ David Bouchier کے مطابق جنس کی بنیاد پر عورت کے ساتھ ہونے والی ذاتی، معاشرتی اور معاشی ناانصافی کے خلاف مزاحمت کا نام نسائیت (feminism) ہے۔[17] معروف امریکی مصنفہ اور عورتوں کے حقوق کی علمبردار Bell Hook نسائیت پسند تحریک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ نسائیت سے مراد ایسی تحریک ہے جو جنسی تفریق، جنس کی بنیاد پر استحصال اور جبر کے خاتمے کے لیے کوشاں ہے۔[18] نسائیت پسندوں (feminists) کے بقول یہ تحریک عورتوں کو معاشرے میں ان کے جائز حقوق دلانے کے لیے ہے اور یہ کہ مرد اور عورت مواقع، معاملات اور عزت و احترام میں برابری کے مستحق ہیں۔ نسائیت پسندوں کے اس دعوے کے برعکس عام تأثر یہ ہے کہ نسائیت پسند (feminist) سے مراد ایسی خواتین ہیں جو مردوں کے رویوں سے ناراض اور زندگی میں انہیں نیچا دکھانا چاہتی ہیں اور ان کے پیش نظر ایسی معاشرتی زندگی ہے جس میں عورت کو مرکزیت حاصل ہو نا کہ مرد کو۔ نسائی تحریک (Feminist Movement)کو یورپ کے سیاسی اور مذہبی تناظر سے الگ کرکے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ عام رائے اور نسائیت پسندوں کے دعووں میں فرق کی وجہ اس تحریک کا سیاسی اور مذہبی تناظر ہے نیز بدلتے حالات میں اس تحریک کے نقطہ نظر میں تبدیلی واقع ہونے سے اس تحریک میں مختلف رجحانات پروان چڑھتے رہے ہیں۔ نسائیت پسند نظریے (feminist theory) کو چار مختلف رجحانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:[19] ۱۔ انتہاء پسند نسائیت (Radical Feminism) ۲۔ اشتراکی نسائیت (Socialist Feminism) ۳۔ ثقافتی نسائیت (Cultural Feminism) ۴۔ آزاد خیال نسائیت (Liberal Feminism)۔ انتہاء پسند نسائیت پرست ، عورت اور مرد کے درمیان پائی جانے والی جنسی تفریق کو یکسر رد کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرد اور عورت کے مابین پائے جانے والے اختلافات کو ختم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کے درمیان پائی جانے والی جنسی تقسیم کو ختم کردیا جائے۔ مثلاً، ان کے نزدیک زچگی کے مراحل عورت کی معاشی اور معاشرتی ترقی میں رکاوٹ ہیں لہٰذہ عورت کو اس سے آزاد کرکے انسانی نسل کو آگے بڑھانے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کرکے بچوں کی افزائش کی جانی چاہیے۔[20] اشتراکیت کی علبردار نسائیت (Socialist Feminism) میں عورت کے مسائل کو سرمایہ دارانہ نظام کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ پہلی قسم سے کم انتہاء پسند مگر معاشرتی سطح پر بڑی تبدیلیوں کے خواہاں ہیں۔ ان کے خیال میں موجودہ معاشرتی تقسیم سرمایہ دارانہ نظام اور مذہب سے ملکر وجود میں آئی ہے۔ مذہب عورت کو مرد کا زیر دست بناتا ہے اور اس معاشرتی تقسیم کو قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اور یہ (status

(quo تبدیلی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ [21] ثقافتی نسائیت (Cultural Feminism) عورت اور مرد کے درمیان پائی جانے والی تفریق کو قبول کرتی ہے۔ ثقافتی نسائیت کے علمبردار اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ زندگی کے بارے میں مرد اور عورت کے نقطہ نظر میں فرق ہے مگر نسائیت پسند ہونے کی وجہ سے وہ عورت کے نقطہ نظر کو ترجیح دیتے ہیں۔ انتہاء پسندوں کے مقابلے میں یہ عورت اور مرد کے درمیان جنسی تفریق کا خاتمہ نہیں چاہتے مگر وہ عورت کے لیے مرد کے مقابلے میں زیادہ عزت و احترام اور مواقع چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور پر امن معاشرہ تشکیل دے سکتی ہے کیونکہ عورت انسانی نسل میں اتحاد، مضبوطی اور مشترکہ شناخت کی بنیاد ہے۔[22] آزاد خیال نسائیت (Liberal Feminism) سرمایہ دارانہ نظام اور جدید مغربی جمہوریت کے اندر رہتے ہوئے عورت کے حقوق کی تحریک کا نام ہے۔ آزاد خیال نسائیت پسند مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں لبرل اصولوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مطالعہ مذہب کی نسائی جہت (Feminist Approach) عام نسائیت (General Feminism) کی ہی ایک شاخ ہےجوبنیادی طور پر پہلے سے موجود جدیدسماجی علوم کے پیش کردہ نظریات میں جنس کو بطور بنیاد کے اختیار کرتے ہوئے مذہب کے تجزیے کا نام ہے۔[23] یہ عورت کے نقطہ نظر سے مذہب اور معاشرے کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ مطالعہ مذہب کی نسائی جہت کے ماہرین کے نزدیک مذہب اور جنسیات دونوں ہی عورت کے لیے اہم ہیں کیونکہ نسائیت بھی مذہب کی طرح انسانی شناخت کو اپنا موضوع بناتی ہے۔[24] مطالعہ مذہب کی نسائی جہت عورت کی معاشرتی حیثیت کو بیان کرنے کے لیے دیگر نقطہ ہائے نظر جیسا کہ بشریات، الٰہیات، سماجیات، نفسیات اور فلسفے سے مدد لیتی ہے۔ اس کا بنیادی ہدف مذہب اور نسائیت کے فرد کے بارے میں افکار کا جائزہ لینا ہے کہ یہ کہاں تک ایک دوسرے کے لیے قابل قبول ہیں نیز ان دونوں کے درمیان موافقت کی کونسی صورتیں ہیں کہ جس سے بالآخر عورت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

مذہب کے بارے میں نسائیت پسندمفکرین دو بڑے گروہوں میں بٹے دکھائی دیتے ہیں: مذہب کے نقاد جو کہ مطالعہ مذہب کی نسائی جہت کے تنقیدی پہلو (Critical Dimension) کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان مفکرین کے مطابق مذہب بنیادی طور پر عورت دشمن رجحانات کا حامل ہے اور عورت کے استحصال کی ایک صورت ہے۔ اس مؤقف کے حامل نسائیت پسند مذہب کے تاریخی کردار کو موضوع بناتے ہیں اور مذہب کو مرد کی عورت پر غیر منصفانہ برتری کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔جبکہ مذہبی رویے میں تبدیلی کے لیے کوشاں (Transformative Dimension) مفکرین کا خیال ہے کہ مذہب اپنی اصل کے اعتبار سے عورت مخالف نہیں ہے۔ مذہب میں موجود عورت مخالف رجحانات مذہب کی مردانہ تعبیر و تشریح کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ مذہب کے عورت مخالف رجحانات کو ختم کرکے اسے قابلِ قبول بنایا جا سکتا ہے۔[25] مذہبی رویے

میں تبدیلی کے خواہاں مذہبی لٹریچر، علامات اور رسوم و رواج کی ایسی تعبیر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو عورت کے نظر انداز شدہ معاشرتی کردار کو بحال کرنے کا ذریعہ بنے۔[26]

۵۔ مطالعہ مذہب کا تاریخی منہج: (Historical Approach)

مطالعہ مذہب کی تاریخی جہت میں مختلف روایات کا انسانی تاریخ کے تناظر میں جائزہ لیا جاتا ہے۔ تاریخ کے مختلف مراحل میں مذہب کا کردار اس کا موضوع ہے۔ اگرچہ مختلف مذاہب کے تحریری اثاثے بذات خود ایک تاریخی حیثیت کے حامل ہیں مگر انیسویں صدی کے جدید مغربی مفکرین نے مطالعہ تاریخ کے جدیداصولوں کی روشنی میں مذہب کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے نیز مذہب کا تاریخی مطالعہ مغربی مفکرین کے ہاں مذہب پر تنقید کا ایک بڑا وسیلہ رہا ہے۔[27] تاریخ کا معنیٰ انسانی تاریخ میں گزرنے والے اہم واقعات، حقیقی یا خیالی، کو معروضی طریقے پر (objectively) زمانی ترتیب سے لکھنا ہے۔جبکہ مذہب کے تاریخی مطالعہ سے مراد مذہب کےمبداء اور تاریخی ارتقاء کا معروضیت کے ساتھ جائزہ لینا ہے۔[28] جدید مغربی مطالعہ مذہب میں تاریخی منہج ایسی تکنیک اور راہنما اصولوں پر مشتمل ہے جنہیں استعمال کرکے ایک مؤرخ مذہب کے بنیادی ذرائع اور شواہد کا تجزیہ کرتے ہوئے نتائج مرتب کرتا ہے، یہ نتائج مذہبی کتب میں بیان ہوئے حقائق سے مختلف یا متفق ہو سکتے ہیں۔[29] مطالعہ مذہب کی تاریخی جہت میں مذہبی تحریروں اور ان حالات کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے جن میں یہ تحریریں لکھی گئیں تھیں نیز مختلف ادوار میں ان میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ان کے محرکات کیا تھے۔ مذہبی کتب میں موجود تضادات کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور ان کے مصنفین کے بارے میں معلومات جمع کی جاتی ہیں۔نیز یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسانی تاریخ کے مختلف مراحل پر انسان کے مذہبی رویے کیسے تھے اور مذہب کا سماجی کردار کیا تھا۔

مطالعہ مذہب کی تاریخی جہت کے بنیادی مآخذ دو ہیں: اول، مذہبی کتب ۔ دوم، علم آثار قدیمہ (Archeology)۔ [30] انیسویں صدی کے آغاز میں استعماریت کے پھیلاؤ کے ساتھ ہی جدید مغربی مفکرین کو دیگر مذہبی روایات کو براہ راست دیکھنے کا موقع ملا چنانچہ مسیحیت کے علاوہ دیگر مذاہب کو جاننے کے لیے ان کے علمی سرمائے کو یورپی زبانوں میں منتقل کرنے کا آغاز ہوا۔ معروف ماہرِ لغات اور ماہر مذاہب Max Muller کی قیادت میں مفکرین کی ایک جماعت نے مشرقی مذاہب کے علمی سرمائے کو انگریزی زبان میں منتقل کیا جو پچاس جلدوں کی صورت میں Sacred Books of The East کے نام سے طبع ہوا۔ یہ ترجمہ مطالعہ مذہب کے ضمن میں جدید مغربی مفکرین کے لیے حوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لغات کے تقابلی مطالعے سے میکس مولر نے انسان کی مذہبی سوچ اور تاریخ کو جاننے

کی کوشش کی ہے۔ دوسری طرف علم آثارِ قدیمہ نے بھی مطالعہ مذہب کے تاریخی منہج کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں دریافت ہونے والی انسانی آبادیوں کی باقیات سے ابتدائی معاشروں سے متعلق اہم معلومات حاصل ہوئیں اور ماہرین اس نتیجے پر پہنچے کہ انسانی معاشرے کبھی بھی مذہب سے خالی نہیں رہے ہیں۔

٦۔ مطالعہ مذہب کا مظہریاتی منہج: (Phenomenological Approach)

Phenomenologyسے مراد کسی شے کی حقیقت کو اس کے ظواہر کی بنیاد پر بیان کرنا جیسا کہ وہ انسانی حواس کے ذریعے محسوس ہوتے ہوں یا دکھائی دیتے ہوں۔[31] مطالعہ مذہب میں فینامینلوجی کے منہج سے مراد مطالعہ مذہب کا وہ طریقہ ہے جس میں مختلف مذاہب کی روایات کو ان کے مظاہر کے بنیاد پر تقابلی مطالعہ کر کے کی ان کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔[32] بیسویں صدی کے دوسرے ربع میں مطالعہ مذہب کے حوالے سےمغربی فکر میں ایک نمایاں تبدیلی آئی جس نے بعد کے ادوار کی فکر پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ اس تبدیلی نے مغرب کے علمی حلقوں میں مطالعہ مذہب کا ایک نیا انداز، جو کہ اس سے قبل غیر منظم تھا ، کو متعارف کروایا جسے فینامینولوجی کی نام سے جانا جاتا ہے۔ اس منہج تحقیق کے مطابق مطالعہ مذہب کا درست طریقہ یہ ہے کہ مذہبی روایت کی خود ترجمانی کرنے کی بجائے اسے اس کے ظواہر کی بنیاد پر پیش کیا جانا چاہیے اور اس کے لیے خود متعلقہ مذہب کی حدود میں رہ کر اس کی تشریح و تعبیر کی جانی چاہیے۔[33]

فینامینولوجی کے زیر اثر جدید مغربی مفکرین میں سے Franz Boas (1858-1942) نے ارتقائی بیانیے کو مسترد کرتے ہوئے زندہ معاشروں میں رہ کر عملی تحقیق کا نظریہ پیش کیا۔ اس بیانیے کے مطابق معاشرے کی ہر چیز کا دوسری چیز سے تعلق ہے چنانچہ کسی بھی معاشرتی عمل کو دیگر سرگرمیوں سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس بیانیے کو Holism کا نام دیا گیا جس میں معاشرے کو بحثیت مجموعی تحقیق کا موضوع بنایا جاتا ہے۔ سماجی علوم میں نظریہ ارتقاء کے خلاف عملی کام کرنے والوں (field workers) نے مضبوط بنیاد فراہم کی۔ ان کے خیال میں ہر چیز کو تاریخ کے بارے میں وضع کردہ خاص سانچے (Grand Historical Design) میں رکھ کر سمجھنا موجودہ معاشروں کی تفہیم میں فائدہ مند نہیں ہے۔ کسی بھی معاشرے کی درست تفہیم کے لیے ضروری ہے کہ اسے اُسی معاشرے کے افراد کے نقطہ نظر سمجھا جائے نہ کہ پہلے سے طے شدہ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے۔ [34] اس نظریے نے بعد میں آنے والے ماہرین بشریات کی تحقیق سرگرمیوں کو نیا رخ دیا۔

عملی تحقیق کے حولے سےجدید مغربی مفکرین میں Malinowski (1884-1942) کا کام نمایاں ہے جس میں اس نے منتخب انسانی مجموعے پر براہ راست تحقیق کرکے جمع کردہ معلومات کی بنیاد پر اپنے نظریات کو پیش کیا۔ مالینوسکی نے اپنے سے قبل کے طریقہ تحقیق، جو کہ نظریہ ارتقاء پر مبنی تھی، کو مسترد کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی بھی معاشرے کواس کے مجموعی تعامل کی روشنی میں دیکھنا چاہیے اور اس معاشرے میں انجام پانے والی سرگرمیوں کی وضاحت اس معاشرے کے مجموعی تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے کی جانی چاہیے۔[35] Malinowski مذہب کو انسانی ضرورت کے طور پرپیش کرتا ہے۔ اس کے خیال میں مذہب انسان کو مشکل اوقات میں نفسیاتی مدد فراہم کرتا ہے جیسا کہ موت کے وقت۔ اس نے انسان کی حیاتیاتی ضروریات (biological needs) کو بنیاد بناتے ہوئے سماجی سرگرمیوں کی تشریح کی ہے۔ مذہب کو بھی وہ انسان کی ایک ایسی ہی ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے۔[36] Radcliffe-Brown (1881-1955) نے بھی ارتقائی نظریے کو رد کرتے ہوئے Malinowski کی طرح holism کی موافقت کی مگر Malinowski کے برعکس اس نے انسان کی حیاتیاتی ضرورتوں کے مقابلے میں انسان کی معاشرتی ضرورتوں (social needs) کو بنیاد بناکر اپنی تحقیق کو آگے بڑھایا۔ وہ معاشرے کو ایک جاندار (living organism) کے طور پر دیکھتا ہے جس کے تمام اعضاء کے مابین تعلق پایا جاتا ہے۔ وہ مذہب کو معاشرے میں پائے جانے والے مختلف اداروں (structures) کو باہم جوڑنے والی ایک قوت کے طور پر دیکھتا ہے۔ وہ مذہب کو cement of society قرار دیتا ہے۔ اس کی نظر میں مذہب نہ صرف معاشرتی اداروں کو باہم جوڑتا ہے بلکہ یہ انہیں اپنی ذات میں برقرار رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔[37] Cliffered Geertz (1926-2006) نے structural functionalism سے نکلتے ہوئے چیزوں کو لوگوں کے نقطہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی۔ اس نظریے کو Interpretivist کا نام دیا گیا۔ اس بیانیے کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ کسی بھی ثقافت کو باہر سے دیکھنے یا آفاقی قوانین (universal principles) کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے اسے اپنے ہی اصول و قواعد کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ کسی بھی معاشرتی عمل کی توجیہہ عمل کرنے والے کے نقطہ نظر سے ہونی چاہیے اور اس مقصد کے لیے مقامی زبان پر دسترس ضروری ہے۔ اس طریقہ تحقیق میں پہلے سے طے شدہ کسی نتیجہ کو لاگو (impose) کرنے کی بجائے خود لوگوں کے نقطہ نظر سے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔[38]

۷۔ مطالعہ مذہب کا سماجیاتی منہج (Sociological Approach)

ماہرین سماجیات کے مطابق مذہبی عقائد اور مذہبی ادارے زبردست معاشرتی عامل کی حیثیت رکھتے ہیں جو یا تو براہ راست اجتماعی زندگی

پر اثر انداز ہوتے ہیں یا پھر دیگر مؤثر معاشرتی عوامل کو پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔[39] مذہب کے سماجی کردار کو سمجھنے کے لیے عمومی سماجیات کے تحت مطالعہ مذہب کو' سماجیاتِ مذہب' کہا جاتا ہے۔ [40] سماجیاتِ مذہب عمومی سماجیات کے دائرے میں رہتے ہوئے انسانی معاشروں اور مذہب کے باہمی تعلق کو موضوع بحث بناتی ہے جس کا مقصد معاشرے پر مذہب کے اثرات اور مذہب پر معاشرے کے اثرات کا جائزہ لینا ہے۔ سماجیاتِ مذہب میں لوگوں، معاشرتی اداروں، اور ایسے نظریات کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو یا تو مذہب سے وابستہ ہیں یا پھر مذہب کی وجہ سے انسانی معاشروں میں پروان چڑھے ہیں۔ مذہب انسانی رویوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ رویے مذہب موافق بھی ہو سکتے ہیں اور مذہب مخالف بھی۔ جیسا کہ آج کی دنیا میں مذہبی اور لادین طبقوں کی کشمکش ہمارے سامنے ہے۔ ایک ماہرِ سماجیات کے لیے جہاں یہ بات اہم ہے کہ مذہب کے معاشرتی اثرورسوخ کی ممکنہ توجیہہ کرے وہیں یہ بات بھی اس کے دائرہ تحقیق میں آتی ہے کہ وہ مذہب مخالف رجحانات کی وجوہات کا پتہ چلائےکیونکہ بہت سی ایسی صورتیں ہیں جہاں مذہب خود لادینی افکار کی ترویج کا باعث بنا ہے، جیسا کہ جدید مغربی دنیا میں نشأۃ ثانیہ کے آغاز پر روایتی یورپی مسیحیت کا سائنس کے بارے میں رویہ۔[41] مطالعہ مذہب کی سماجی جہت میں نظریاتی اعتبار سے پانچ بڑے مکاتبِ فکر ہیں جنہیں (Major Theoretical Perspectives) کہا جاتا ہے۔

اول۔ معاشرتی جڑاؤ کا نظریہ (Functionalist Perspective): اس نظریے میں معاشرے کو ایک جاندار (Living Organism) کے طور پر دیکھا گیا ہے جس کا ہر حصہ اسے زندہ رہنے میں مدد دیتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق معاشرہ بھی ایک جسم کی طرح ہے جس کے مختلف اجزاء ہیں جو معاشرتی استحکام میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔[42] اس مکتبہ فکر کی اساس 'ایمل درخائم ' کے معاشرتی نظریات پر ہے۔

دوم۔ باہمی تصادم کا نظریہ (Conflict Perspective) : اس نظریے کی بنیاد کارل مارکس (Karl Marx, 1818-1883) کے خیالات پر ہے جس کے خیال میں سرمایہ دارانہ معاشرے میں معاشی مفادات کی بنیاد پر سرمایہ دار اور محنت کش کے درمیان تصادم ناگزیر ہے۔[43] باہمی تصادم پر مبنی نظریے کے مطابق مذہب معاشرتی کنٹرول (Social Control) کا کام کرتا ہے اور مذہب کا یہ کردار معاشرتی تبدیلی میں ایک رکاوٹ ہے۔ مذہب معاشرے کے پسے ہوئے افراد کے ساتھ اخروی زندگی میں کامیابی کا وعدہ کرکے دنیوی زندگی میں انہیں کسی بھی قسم کی معاشرتی تبدیلی کا حصہ بننے سے روکتا ہے۔[44]

سوم۔ معاشرتی تبدیلی کا نظریہ (Social Change Perspective): میکس ویبر (Max Weber, 1864-1920) نے معاشرتی تبدیلی کے نظریے کو استعمال

کرتے ہوئے مذہب کے سماجی کردار کو واضح کیا ہے۔ اس نے اپنے وقت کے یورپی معاشرے میں ہونے والی معاشی ترقی کو سامنے رکھتے ہوئے مذہب کے کردار کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس کے خیال میں 'پروٹسٹنٹ مسیحی اخلاقیات' ہی وہ بنیادی محرّک ہے جس نے یورپی معاشروں میں جدید سرمایہ دارانہ نظام کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ یورپ میں صنعتی انقلاب اور پروٹسٹنٹ مسیحی فکر کے مابین اس تعلق کو Protestant Ethics کے نظریے سے جانا جاتا ہےجو کہ میکس ویبر نے اپنی کتاب Protestant Ethics and the Spirit of Capitalism (1930) میں پیش کیا ۔ ویبر نے اپنی اس کتاب میں اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح مذہب 'معاشرتی تبدیلی' (Social Change) میں اہم کردار ادا کرتا ہے، خاص طور پر پروٹسٹنٹ مسیحی فرقے کی تعلیمات کس طرح پہلے یورپ اور پھر امریکہ میں صنعتی انقلاب کا پیش خیمہ بنیں۔[45]

چہارم۔ باہمی تعامل کا نظریہ (Inter-actionist Perspective): 'باہمی تعامل' کے نظریے کے مطابق انسان کی اجتماعی زندگی کو سمجھنے کے لیے نچلی سطح (micro level) پر انسانوں کے باہمی میل جول (Interaction) کو مدّنظر رکھا جانا چاہیے کیونکہ انفرادی سطح (face to face situation) پر وجود میں آنے والا یہ میل جول اور باہمی اظہار کے مختلف طریقے ہی بڑی سطح (macro level) پر نظر آنے والے اجتماعی رویوں کی بنیاد ہیں۔[46] باہمی تعامل کے نظریے سے مراد سماجیاتی مطالعہ کا ایک ایسا ڈھانچہ ہے جس میں انسانوں کوایسی دنیا کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے جو بامعنی اشیاء سے بنی ہوئی ہے۔ ایسی اشیاء (objects) جن کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے، ان اشیاء میں مادی چیزیں، انسانی اعمال، اظہار کے مختلف طریقے، افراد اور ان کے تعلقات، مختلف مذہبی و سماجی علامات ،سبھی شامل ہیں۔[47] اس مکتبہ فکر کو ' علامات پر مبنی باہمی تعامل کا نظریہ' (Symbolic Interactionist Perspective) کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔

۸۔ خلاصہ :

جدید مغربی فکر کے عصری مناہج دراصل مختلف سماجی علوم کی مطالعہ مذہب میں نمائندگی کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر منہج اس اعتبار سے دوسرے سے مختلف ہے کہ اس میں مذہب کے فرد اور معاشرے پر اثرات کے کسی خاص پہلو کو موضوعِ بحث بنایاگیا ہے نیز ہر منہج خاص مفروضوں کے تحت مذہب کےبارے میں اپنی تحقیق کو آگے بڑھاتا ہے مگر ان میں قدرمشترک عقلی استدلال ہے جس کی بنیاد پر انسانی تاریخ، سوچ، رویے اور عمل کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ ان سماجی علوم کے ماہرین کی مذہب کے ضمن میں تحقیقات اہم ہیں اور عملی اعتبار سے مطالعہ ادیان کے مفکرین کے مقابلے میں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔ چونکہ یہ علوم اطلاقی (Applied) حیثیت کے حامل ہیں اس لیے مذہب کے معاشرتی کردار اور انسان کے مذہبی رویوں کے بارے میں ان کے تحت کی جانے والی تحقیقات مجموعی مغربی فکر پر بالعموم اور مطالعہ ادیان میں مشغول مفکرین پر

بالخصوص اثر انداز ہوتی رہی ہیں۔ چنانچہ آنے والے دور میں ان علوم میں سے ہر علم میں مطالعہ ادیان ایک مستقل مبحث کے طور پر شامل ہوگیاجس میں مذہب کو متعلقہ علمی روایت کے اصولوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مطالعہ ادیان کی ان جہات میں سے سماجی جہت social approachکو اس اعتبار سے انفرادیت حاصل ہے کہ یہ براہ راست مذہب اور معاشرے کے تعلق کو محور بناتے ہوئے معاشرتی نظم، انسانی تجربے اور انسانی ثقافت کی وضاحت کرتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1 Smart, N. (1985) *Nineteenth Century Religious Thought in the West*, Vol. 3, Cambridge: Cambridge University Press, 1985. p. 195

2 Gellner, David N., (2004) “Anthropological Approaches” *Approaches to the Study of Religion*, (Ed.) Peter Connolly, London: Continuum, p. 10

3 Boon, James A. (1999) *Verging on Extra-vagance: Anthropology, History, Religion, Literature, Arts*. New Jersey: Princeton University Press, p. 43

4 Gellner, David N., (2004) “Anthropological Approaches” *Approaches to the Study of Religion*, (Ed.) Peter Connolly, London: Continum, 12

5 Frazer, J. G. (1890) *Thr Golden Bough: A study in Comparative Religion*, 2 vols, New York: Macmillan

6 Durkheim, Emile (1995) *The Elementary Forms of Religious Life*, tr. Karen E. Fields, New York: The Free Press, p. 21

7 Belzen, J. A. (2010) *Towards Cultural Psychology*, New York: Springer, p. 69

8 Loewnthal, Kate M. (2000) *The Psychology of Religion*, Oxford: One world, p. ix

9 Ibid, p. 1

10 Brown, L. B. (1994) *The Human Side of Prayer*, Birmingham: Religious Education Press, p. 187

11 Marcia, J. E. (1966) ‘Development and Validation of ego-identity status’, *Journal of Personality and Social Psychology*, vol. 3, Ohio University Press, p. 119

12 Connolly, Peter (2004) ‘Psychological Approaches’, *Approaches to the Study of Religion*, p. 138

13 Connolly, Peter (2004) ‘Psychological Approaches’, *Approaches to the Study of Religion*, p. 142

14 James, William (1985) *The Varieties of Religious Experience*, London: Penguin, p. 512

15 Freud, Sigmund (1977) *On Sexuality*, Tr. James Strachey, London: Penguin, p. 149
16 Freud, Sigmund (1962) *The Future of An Illusion*, Tr. James Strachey, London: Hogarth Press, p. 14
17 Boucher, David. (1983) *The Feminist Challenge: The Movement for Women in Britain and United States,* London: Macmillan, p. 2
18 Hooks, Bell. (2000) *Feminism is for Everybody: Passionate Politics*, London: Pluto Press, p. 37
19 Alison, M. Jaggar. (1983) *Feminist Politics and Human Nature*, New Jersey: Roma and Allnheld, p. 27
20 Ibid, p. 81
21 Ibid, p. 51
22 Alison, M. Jaggar. (1983) *Feminist Politics and Human Nature*, p. 116
23 Morgan, Sue (2004) "Feminist Approaches" *Approaches to the Study of Religion*, (Ed.) Peter Connolly, London: Continum, p. 42
24 Carr, Anne (1988) *Transforming Grace: Christian Tradition and Women's Experience*, San Francisco: Harper & Row, p. 95
25 Morgan, Sue (2004) "Feminist Approaches" *Approaches to the Study of Religion*, p. 43
26 Bundesen, Lunnw. (2007) *The Feminist Spirit: Recapturing the Heart of Scripture*, San Francisco: Jossey-Boss, p. 79
27 Waardenburg, J. (ed.) () *Classical Approaches to the Study of Religion*, p. 23
28 Gove, Philip B. (ed.) *Webster's Third New International Dictionary* (1968) London: William Benton, vol. 2, P. 1074
29 Smith, Morton (1968) 'Historical Method in The Study of Religion', *History and Theory*, vol. 8, USA: Wesleyan University, p. 10
30 Garraghan, Gibert J. and Delanglez, Jeam (1946) *A Guide to the Historical Method*, New York: Fordham University Press, p. 168
31 Hawkins, Joyce M, Allen, Robert (eds.) (1991) *The Oxford Encyclopedic English Dictionary*, Oxford: Clarendon Press, p. 1088
32 Waardenburg, J. () *Reflections on the Study of Religion*, p. 119
33 Eliada and Kitagawa (eds.) () 'The Introduction', *The History of Religions: Essays in Methodology*, p. viii
34 Boas, Franz (1962) *Anthropology and Modern Life*, New York: W. W. Norton Company, p. 202
35 Malinowski, Bronislaw (1960) *A Scientific Theory of Culture*, New York: Oxford University Press, p. 7
36 Malinowski, Bronislaw (1948) *Magic, Science and Religion*, Massachusetts: Beacon Press, p. 9
37 Radcliffe Brown, A. R. (1952) *Structure and Function in Primitive Society*, New York: The Free Press, p. 153

38 Geertz, Clifford (1973) *The Interpretation of Cultures*, New York: Basic Books, Inc., p. 11
39 Northcott, Michael S. (1999) "Sociological Approaches", *Approaches to the Study of Religion*, Peter Connoly (ed.), London: Continuum, p. 193
40 *The Sociological Study of Religion*, Hartford Institute for Religion Research, http://hirr.hartsem.edu/sociology, Retrieved on 10-04-17
41 Dovie, Grace (2007) *The Sociology of Religion*, p. 1
42 Shaefer, S. T., (2004) *Sociology: A Brief Introduction*, p. 8
43 McLellan, D. (ed.) (1977/2000) *Karl Marx: Selected Writings*, Oxford: Oxford University Press, p. 371
44 Hamilton, Malcolm (2001) "Religion and Ideaology: Karl Marx" *The Sociology of* Religion, London: Routledge, P. 91
45 Ibid, 103-125
46 Andersen and Tylor (2002) *Sociology: Understanding a Diverse Society*,London: Wordsworth, p. 111
47 Shaefer, S. T., (2004) *Sociology: A Brief Introduction*, p. 16